رانا غلام یٰسین
استاد شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج جام پور، راجن پور

دبستانِ تونسہ اور اقبال: تحقیقی مطالعہ

Rana Ghulam Yasin
Department of Urdu, Govt. College Jampur, Rajanpur

Tonsa School of Thought and Iqbal: A Research Study

Hazrat shah suliman tonswi was a great saint and scholar of *Silsla-e-chisht*.He is murid of Hazrat qibla alam Khawaja Noor Muhammad Maharwi.He is founder of dabistan-e-tonsa. This dabistan is serving the muslim ummah in every field. Allama iqbal has great respect for Hazrat shah suliman and the other scholers of this dabistan like Khawaja Nizam ulddin,Hazrat Ghulam Haider jalal puri ,amir Hizbullah, Ramzan attai,peer Mehar Ali shah etc.many scholars and saint also respect Allama Iqbal.There are many letters of iqbal adressed to the scholars of dabistan-e-tonsa.In this artical relation between iqbal and the personalities of dabistan-e-tonsa is analyzed and many personalities are searched durinng this research, those have relations with Iqbal and Iqbal wrote letters to them.

شہر تونسہ شریف ڈیرہ غازی خان سے تیس کوس کے فاصلے پر واقع ہے جس کی تاریخ روحانیت، علمیت اور ادب کے لحاظ سے بڑی قدیم ہے۔اس غیر معروف گاؤں کو حضرت شاہ سلیمان تونسوی کی نسبت سے ایسی پہچان ملی کہ اس کی تاریخ ہی بدل گئی۔

پنجاب میں حضرت شاہ فخر الدین کا فیض اور چشتیہ سلسلے کا نام شاہ نور محمد مہاروی کے ذریعے پہنچا اور شاہ سلیمان تونسوی کے ذریعے اس کی تکمیل ہوئی۔آپ بڑے برگزیدہ، عالم فاضل اور روحانیت کا منبع تھے۔آپ نے اس وقت پنجاب

میں مسندِ ارشاد بچھائی اور دبستان تونسہ کی بنیاد رکھی جب پورا صوبہ سکھوں کے قبضے میں تھا، سلطنتِ مغلیہ کا چراغ گُل ہونے کو تھا، انگریزوں کا اقتدار تیزی سے بڑھ رہا تھا، مسلمانوں پر مغلوبیت اور افسردگی چھائی ہوئی تھی۔ آپ نے مسلمانوں کو حوصلہ دیا اور فرمایا کہ تمہارے تمام مصائب، ابتلا و پریشانی اور دکھ درد کا علاج اعمال کی درستی، قرآن وسنت کی پیروی، اخلاق و کردار کی اصلاح اور روحانی بلندی میں مضمر ہے۔ آپ نے تقریباً ۶۳ سال تک علماء۔ صلحا، امرا اور عامۃ المسلمین کی رہنمائی فرمائی۔

حضرت شاہ سلیمان تونسویؒ کی جلائی ہوئی علم وعرفاں کی شمع کے گرد دور دور سے پروانے جمع ہوئے آپ سے فیض حاصل کیا اور مختلف علاقوں میں فیض بانٹتے گئے۔

دبستان تونسہ سے فیض پاکر سیال شریف، دہلی، خیرآباد، راجپوتانہ، گڑھی افغاناں، مکھڈ شریف، مرولہ شریف، کلانچی شریف اور ریاست بہاولپور میں آپ کے خلفا نے مسند ارشاد بچھائی اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔ آپ کے تقریباً ۷۰ خلفاء تھے پھر ان کے خلفاء در خلفاء، اس فیض کا سلسلہ جاری ہے۔

حضرت شاہ سلیمان تونسویؒ اور اقبالؒ

حضرت شاہ سلیمان تونسویؒ ۱۱۸۴ھ (۱۷۶۴ء) کو گڑگوجی میں پیدا ہوئے۔[۱] آپ کا تعلق افغان قوم کے جعفریہ (رمدانی سالارانی) خاندان سے تھا۔ آپ کے والد کا نام زکریا بن عبدالوہاب بن عمر خان بن خان محمد تھا[۲] آپ کے والد جعفر پٹھان قبیلے کے سردار تھے جن کا انتقال آپ کے بچپن ہی میں ہوگیا اس لیے آپ کی تعلیم وتربیت والدہ ماجدہ کے زیر سایہ ہوئی۔

چار سال کی عمر میں آپ کی والدہ نے آپ کو قرآن مجید پڑھنے کے لیے بھیجا۔ آپ نے ملا یوسف جعفر سے ۱۵ پارے پڑھے۔ کچھ عرصہ اپنے ہی ایک ہم قوم حاجی صاحب سے پڑھے۔ اس کے بعد آپ تونسہ شریف آگئے اور میاں حسن علی سے پڑھنا شروع کیا۔[۳]

میاں صاحب سے آپ نے قرآن مجید کے علاوہ ''پندنامہ''، ''گلستان سعدی''، ''بوستان سعدی'' بھی پڑھیں اس کے بعد آپ لانگہ تشریف لے گئے اور مولوی ولی محمد سے فارسی درسیات کی تکمیل کی۔[۴] اس کے بعد آپ کوٹ مٹھن شریف خواجہ محمد عاقلؒ کے مدرسہ میں تشریف لائے۔ یہاں آپ نے عربی اور منطق کی مشہور کتاب ''قطبی'' کے علاوہ فقہ پر بھی عبور حاصل کیا۔[۵]

آپ نے حضرت خواجہ نور محمد مہاروی قبلہ عالمؒ کی بیعت کی اور انہوں نے آپ کو حضرت سید جلالؒ کے مزار کے سرہانے لے جاکر مرید کیا۔[۶]

۱۱۹۹ھ میں آپ بیعت ہوئے اور ۶ برس تک اپنے مرشد سے فیض حاصل کیا خود ایک جگہ فرمایا:

مارا صحبتِ ظاہری حضرت قبلہ عالم شش سال یا کم بود[۷]

بیعت کے وقت آپ کی عمر ۱۵۔۱۶ برس تھی اور ۲۱۔۲۲ برس کی عمر میں آپ کو خلافت سے نوازا اور تونسہ شریف میں

قیام کا حکم دیا۔ آپ تونسہ شریف تشریف لے گئے اور ایک سرکنڈوں کی جھونپڑی بنا کر عبادت میں مشغول ہو گئے (۸) عبادت کے ساتھ ساتھ آپ نے مدرسہ کا اجرا کیا اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ تعلیم کے ساتھ ساتھ آپ نے لوگوں کے اعمال کی درستی اور اخلاق و عادات کی اصلاح کے لیے جدوجہد کی۔ لوگوں کو اللہ کے دروازے پر جھکایا اور اتباع رسول ﷺ کی تلقین کی۔ حُبِ دنیا سے گریز کا درس دیا۔ ۷ صفر ۱۲۶۷ھ میں ۸۴ سال کی عمر میں آپ کا وصال ہوا۔ تونسہ شریف میں آپ کا مزار مرجع خلائق ہے۔

علامہ محمد اقبال ایک پکے اور سچے مسلمان تھے۔ آنحضرت ﷺ کی ذات سے ان کو بے پناہ عشق تھا۔ آپ مسلمانوں کی حالت زار دیکھ کر کڑھتے تھے۔ ان میں اتباع رسول ﷺ پیدا کرنے کے خواہش مند تھے۔ جن بزرگوں نے مسلمانوں کی اصلاح کے لیے جدوجہد کی، اقبال ان بزرگوں سے بھی عقیدت رکھتے تھے۔ سلسلۂ چشت کے بزرگوں نے لاکھوں لوگوں کو مشرف بہ اسلام کیا اور ان کی اصلاح و تربیت کے لیے جدوجہد کی۔ اسی لیے اقبال ان بزرگوں پر عقیدت کے پھول نچھاور کرتے تھے۔ ان کے کلام میں کئی بزرگوں کا تذکرہ بھی موجود ہے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے مزار پر تو اقبال نے حاضری بھی دی۔

حضرت شاہ سلیمان تونسویؒ سے بھی اقبال کو بہت عقیدت تھی۔ ان کے تبحرِ علمی، روحانیت اور ۶۰ سالہ خدمات کو اقبال نے بڑی عقیدت مندانہ نظر سے دیکھا۔ صالح محمد صالح کے نام ۲۵ جولائی ۱۹۳۰ کو ایک خط میں لکھتے ہیں

> گذشتہ رات میرے ہاں بہت سے احباب کا مجمع تھا۔ مسلمانانِ ہندوستان کی روحانیت کا ذکر تھا اور بہت سے احباب مسلمانوں کے موجودہ انحطاط سے متاثر ہو کر مایوسی کا اظہار کر رہے تھے۔ اس سلسلے میں میں نے ریمارک کیا کہ جس قوم سے خواجہ سلیمان تونسوی، شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی اور خواجہ فرید چاچڑاں والے اب اس زمانے میں بھی پیدا ہو سکتے ہیں اس کی روحانیت کا خزانہ ابھی ختم نہیں ہوا۔ (۹)

اسی طرح جب مولوی صالح محمد صالح نے سیرت حضرت سلیمان لکھنے کا ارادہ کیا تو اس کا اظہار علامہ اقبال سے کیا۔ اقبال نے فرمایا کہ یہ کتاب آپ ضرور لکھیں تاکہ حضرت سلیمانؒ کے علمی اور روحانی کارنامے دنیا کے سامنے آسکیں۔ آپ نے لکھا:

> سیرت سلیمان ضرور لکھیے۔ آپ کا اردو طرز بیان دلچسپ اور سادہ ہے۔ میں سمجھتا ہوں آپ پڑھنے والے کی توجہ جذب کر سکنے پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔ (۱۰)

خواجہ نظام الدین تونسویؒ اور اقبالؒ

آپ حضرت شاہ سلیمان تونسوی کے خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کا سلسلۂ نسب شاہ نظام الدین محمودی سلیمانی بن خواجہ محمودؒ تونسوی بن خواجہ اللہ بخشؒ تونسوی بن خواجہ گل محمدؒ تونسوی بن حضرت شاہ سلیمان تونسوی ہے۔

آپ کی ولادت باسعادت ۱۹۰۸ء میں ہوئی (۱۱) درس محمودیہ، مکھڈی بنگلہ سے فارغ التحصیل ہوئے۔ آپ کے اساتذۂ عظام میں حافظ عبدالرسول سلیمانی، علامہ احمد جراح، مولانا احمد بخش صادق ڈیروی اور مولانا علی گوہر شامل ہیں۔ علوم شرعیہ ودینیہ کے علاوہ، علم جفر، علم رمل، علم نجوم اور علم الانساب میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ (۱۲) اعلیٰ پائے کے شاعر بھی تھے، اردو، عربی اور فارسی میں لکھتے تھے آپ کا کلام مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہوتا رہا۔ آپ ولیٔ کامل اور عارفِ طریقت تھے۔ طرزِ تحریر، طرزِ گفتگو، حسنِ اخلاق اور طریقت اپنے والد ماجد سے ورثے میں پایا۔

دبستانِ تونسہ کا حقیقی مشن تبلیغِ اسلام، اشاعتِ اسلام، اور تحفظِ اسلام تھا، آپ نے اس مشن کو جاری رکھا۔ قیامِ پاکستان کے ساتھ ہی حکومت پاکستان نے قیام امن اور خدمت خلق کیلئے آپ کو اعزازی مجسٹریٹ درجہ اول مقرر فرمایا (۱۳) آپ کا وصال ۷ صفر ۱۳۸۵ھ (۵ جون ۱۹۶۵ء) کو ہوا۔ (۱۴)

حضرت خواجہ نظام تونسویؒ سے علامہ اقبال کے مراسم عقیدت پر مبنی تھے اور خواجہ صاحب اقبال صاحب کا بے حد احترام کرتے تھے کیونکہ اقبال بھی تصوف کے رمز شناس تھے۔ دوسرا تعلق مقصدیت سے بھرپور تھا۔ اقبالؒ بھی مسلمانوں کو بیدار کرنے، قرآن وسنت کو اپنی زندگی کا حصہ بنانے، جدید تہذیب سے دور رہنے اور ملی تشخص کو اجاگر کرنے میں مصروف کار تھے اور خواجہ صاحبؒ کو تو یہ مشن ورثے میں ملا تھا۔

علامہ اقبالؒ اور خواجہ نظام تونسویؒ کی ملاقات کے حوالے سے ڈاکٹر غلام فرید خان ''تذکرۂ نظام'' میں رقم طراز ہیں کہ:

> منزل عشقیہ لاہور میں جب پہلی مرتبہ مفکر پاکستان علامہ اقبالؒ نے آپ کو دیکھا تو اپنے ساتھیوں سے سرگوشی کرتے ہوئے کہا ''سبحان اللہ! صورت وسیرت قدرت کا شاہکار ہے'' دیکھنا تونسہ شریف کے یہ بلند اقبال شہزادے، بہت بڑے روحانی مقام کے مالک ہوں گے۔ (۱۵)

صالح محمد صالح ادیب کے نام لکھے گئے متعدد خطوط میں علامہ اقبال نے حضرت خواجہ نظامؒ صاحب کو مخاطب کیا، سلام و پیام بھیجا اور اپنی عقیدت کا اظہار فرمایا۔ ۱۹ جون ۱۹۳۰ء کو لکھے گئے خط میں لکھتے ہیں:

> حضرت خواجہ صاحب کی خدمت میں سلام شوق عرض کیجیے۔ اگر وہ کبھی لاہور کا رخ کریں تو مجھے مطلع کیجیے۔ (۱۶)

اقبالؒ کو حضرت شاہ محمد غوث گوالیاری کا رسالہ ''سرالسما'' چاہیے تھا تو آپ نے حضرت خواجہ کی طرف رجوع فرمایا اور ایک خط میں لکھا:

> حضرت خواجہ نظام الدین صاحب سے یہ بھی معلوم کیجیے کہ آیا ان کے بزرگوں کے کتب خانے میں حضرت شاہ محمد غوث گوالیاری کا وہ رسالہ موجود ہے جس میں انہوں نے آسمانوں اور سیاروں کی سیر کا ذکر کیا ہے۔ (۱۷)

حضرت خواجہ صاحب نے بھی کتاب کی تلاش میں دلچسپی کا مظاہرہ کیا ۔اور بہاول پور خط بھی لکھا جہاں شمس الدین صاحب کا کتب خانہ تھا اور ان کا بیٹا ریاست کی ملازمت میں تھا تو علامہ صاحب نے ۲۵ جولائی ۱۹۳۰ء کے لکھے گئے خط میں ان کا شکریہ یوں ادا کیا:

> حضرت خواجہ صاحب کی خدمت میں میری طرف سے خاص طور پر شکریہ ادا کیجیے۔ میں ان کا نہایت شکر گذار ہوں کہ انہوں نے 'سر السما' کے متعلق اس قدر دلچسپی کا اظہار فرمایا (۱۸)

جب خواجہ صاحب کو آپ کی لکھی جانے والی تصنیف ''جاوید نامہ'' کا علم ہوا تو انہوں نے اس کتاب میں بہت دلچسپی لی اور شاید مولوی صاحب نے ایک خط میں اس کا ذکر کیا تو اقبال نے یوں جواب دیا:

> حضرت خواجہ صاحب کی خدمت میں عرض کیجیے جب میری کتاب ختم ہوگئی تو ان شاءاللہ اس کی ایک جلد حاضر خدمت کرونگا اور مجھے یقین ہے کہ وہ بے انتہا خوش ہوں گے۔ (۱۹)

علامہ صاحب مسلمانوں کے تمدن، انکے سیاسی حقوق کی حفاظت، دینی اشاعت، اخبارات ورسائل کے فروغ، اتحاد ویگانگت اور ملی احساس کی بیداری کے لیے ایک منظم سکیم ترتیب دینا چاہتے تھے تو انکی نظر انتخاب خانقاہوں کے سجادہ نشینوں پر پڑی اور ان کی قیادت کے لیے حضرت خواجہ نظام الدینؒ سے درخواست کی ۔کیونکہ اقبال یہ سمجھتے تھے کہ دین کی اشاعت اور دین کی حفاظت کے لیے سب سے زیادہ کردار ان خرقہ پوشوں نے ہی ادا کیا ہے اور اب بھی وہی یہ کردار ادا کر سکتے ہیں۔ ۱۸ اپریل ۱۹۳۱ء کو لکھا گیا خط ہو بہو پیش کیا جاتا ہے تا کہ اقبال کی سکیم اور خواجہ صاحب سے قیادت کرنے کی وجہ سامنے آسکے:

> ایک مدت کے بعد یہ خط آپ کو لکھتا ہوں ۔خواجہ صاحب کو یہ خط دکھا دیں اور کامل غور وخوض کے بعد اس کا جواب لکھیں ۔اسلام پر ایک بہت بڑا نازک وقت ہندوستان میں آرہا ہے۔ سیاسی حقوق وملی تمدن کا تحفظ تو ایک طرف، خود اسلام کی ہستی معرض خطر میں ہے۔ میں ایک مدت سے اس مسئلہ پر غور کر رہا تھا۔ آخر اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ مسلمانوں کے لیے مقدم ہے کہ ایک بہت بڑا نیشنل فنڈ قائم کریں جو ایک ٹرسٹ کی صورت میں ہو اور اس کا روپیہ مسلمانوں کے تمدن اور ان کے سیاسی حقوق کی حفاظت اور ان کی دینی اشاعت وغیرہ پر خرچ کیا جائے ۔اسی طرح ان کے اخباروں کی حالت درست کی جائے اور وہ تمام وسائل اختیار کیے جائیں جو زمانہ حال میں اقوام کی حفاظت کے لیے ضروری ہیں ۔مفصل سکیم پھر عرض کر دی جائے گی ۔فی الحال یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ قدیم سجادوں کے نوجوان مالک ایک جامع ہو کر مشورہ کریں کہ کس طرح اس درخت کی حفاظت کی جاسکتی ہے جو ان کے بزرگوں کی کوششوں سے پھلا پھولا تھا۔ اب جو کچھ ہوگا نوجوان علما و نوجوان صوفیہ سے ہی ہوگا جن کے دلوں میں خدا نے احساس حفاظت ملی کا جذبہ پیدا کر دیا ہے۔ خواجہ صاحب کی خدمت میں عرض کیجیے کہ وہ ایسے نوجوان سجادہ نشینوں کو ایک جگہ جمع کر لیں ۔میں بھی حاضر ہو کر ان کی مشورت میں مدد دونگا۔ یہ جلسہ فی الحال پرائیویٹ ہوگا۔ (۲۰)

خواجہ صاحب نے بھی اقبال کے اس ملی درد کو محسوس کیا اور پاک پتن شریف میں ایک اجتماع کا پروگرام بنایا تو اقبال نے لکھا:

میں یقیناً نہیں کہہ سکتا کہ پاک پتن شریف حاضر ہوسکوں گا مگر چونکہ خواجہ صاحب نے امید دلائی ہے اس واسطے پوری کوشش کرونگا کہ حاضر ہوں ۔۔۔۔۔۔حضرت خواجہ صاحب کی خدمت میں میری طرف سے شکریہ اور آداب عرض ہو۔ (۲۱)

خواجہ حامد صاحب کے انتقال کے بعد جب جانشینی کا تنازعہ کھڑا ہوا تو اقبالؒ نے اس حوالے سے بھی خواجہ صاحب کی حمایت کی اور صلح ہو جانے پر بھی خط لکھا۔ ۲۰ مئی ۱۹۳۱ء کو لکھتے ہیں:

میں نے خواجہ حامد صاحب کے انتقال کی خبر اخبار میں پڑھی اور میرا خیال تھا کہ تمام اختلافات کو رفع کرنے کی خاطر خواجہ صاحب کو ان کا جانشین تسلیم کرلیا جائے گا۔ (۲۲)

جب خواجہ صاحب پر ان کے آباو جداد کے مزارات کی زیارت بند کردی گئی تو اقبال نے ہمدردانہ خط لکھا اور ڈپٹی کمشنر ڈیرہ غازی خان کے متعلق معلومات مانگیں تا کہ اس مسئلے پر اس سے بات کرسکیں۔ لکھتے ہیں:

مجھے اس بات سے دلی رنج ہوا کہ خواجہ صاحب پران کے مقدس جد کے مزار کی زیارت بند کردی گئی ہے۔ اس تنگ دلی پر ہزار افسوس۔ مگر میں خواجہ صاحب کی خدمت میں یہ عرض کرونگا کہ وہ اس مصیبت عظمیٰ پر صبر کریں ۔ مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی مشکلات کا خاتمہ کردے گا اور ان پر ظلم کرنے والے ذلیل وخوار ہوں گے۔ اس امر کے متعلق جو کچھ مدد خواجہ صاحب کے خیال میں، میں کرسکتا ہوں اس کے لیے دل وجان سے حاضر ہوں۔ آپ بڑی خوشی سے تشریف لائیے۔ ضلع ڈیرہ غازی خان کے ڈپٹی کمشنر صاحب کون بزرگ ہیں، ان کے نام سے مطلع فرمائیے۔ (۲۳)

مولانا خان محمد چشتی اقبال اور خواجہ صاحب کے تعلقات کے بارے میں لکھتے ہیں

علامہ صاحب حضرت خواجہ سے بے حد محبت کرتے تھے۔ متعدد مرتبہ حضرت کی ہمراہی میں علامہ کے حضور جانا ہوا۔ اطلاع ملتے ہی فوراً استقبال کے لیے گھر سے باہر تشریف لے آتے۔ درحقیقت ان حضرات کے موقف اور پروگرام میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔ علامہ صاحب ملت اسلامیہ کی عظمت رفتہ کو واپس لانے کے لیے جہاد میں مصروف تھے اور خواجہ صاحب کی جدوجہد کا بھی یہی حال تھا۔ جس طرح دیوافرنگ کو علامہ صاحب مسلمانوں کے لیے سم قاتل سمجھتے تھے۔ اسی طرح خواجہ صاحب کا وہی تصور تھا۔ آنجہانی مرزا قادیانی کو علامہ صاحب مرتد جانتے اور مانتے تھے۔ بالکل یہی نظریہ خواجہ صاحب کا بھی تھا۔ بس اتنی سی بات ہے کہ وہ ستارہ مشرقی کونے پر طلوع ہوا اور یہ انجم طریقت کوہ سلیمان کی تیرہ وتاریک وادی سے ابھرا۔ (۲۴)

اقبال کے انتقال پر خواجہ صاحب نے ''عقیدت کے آنسو'' کے عنوان سے ایک نظم لکھی جو علامہ اقبال کی خدمات کا اعتراف اور ان کی شخصیت پر بڑا خوبصورت تبصرہ بھی ہے۔ خواجہ صاحب لکھتے ہیں:

ارتقائے آدم خاکی کی ہے تمہید موت
زندگی فانی ہے اور ہے زندہ جاوید موت
ظلمتِ شب میں مسافر کے لیے خورشید موت
کائنات دہر کے آرام کی تردید موت
موت ساز زندگی کا نغمہ خاموش ہے
انجلائے روح بن کے روح میں روپوش ہے
دیدۂ ہستی ہے ظاہر میں حقیقت میں نہیں
حادثات غم پہ خاموشی مرا آئیں نہیں
گفتنی احوال جان مضطر و غمگیں نہیں
اب کسی پہلو دل مجروح کو تسکیں نہیں
''ابر رحمت دامن از گلزار من بر چید و رفت
اندکے بر غنچہ ہائے آرزو بارید و رفت''
غرق خوں کر دے مجھے اے دیدہ خونابہ بار
کیف غم نے کھو دیا ہے زندگی کا اعتبار
ہرنفس سینے میں کیا ہے ایک تیغ آبدار
دامن امید ملت ہو گیا ہے تار تار
ہو گیا ہے ترجمانِ ملتِ بیضا خموش
جس کے ہنگاموں سے تھی چشم جہاں حیرت فروش
کون چھیڑے گا محبت آفریں نغموں کا ساز
کون سمجھائے گا ہم کو فطرتِ ہستی کا راز
گرمئ گفتار سے اب کس کی ہوں گے دل گداز
کس کے اندازِ تکلم پر کرے گا دہر ناز
رحلت اقبالؒ سے سارا جہاں ماتم میں ہے
یہ زمیں ماتم میں ہے یہ آسماں ماتم میں ہے(۲۴)

ماسٹر محمد رمضان عطائیؔ اور اقبالؒ

محمد رمضان عطائیؔ ترین (پٹھان) خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ آپ ۲ جنوری ۱۸۹۶ء کو ڈیرہ غازی خان میں اللہ

داد خان کے گھر پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم ڈیرہ غازی خان ہی سے حاصل کی۔بی۔اے۔بی۔ٹی۔کرنے کے بعد استاد مقرر ہوئے لیکن علم کی تشنگی ابھی باقی تھی اسی لیے تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔ایم۔اے فارسی اور ایم۔او۔ایل کا امتحان پاس کیا۔آپ ایم۔او۔ایل کرنے والے سرایمرسن کے بعد پہلے شخص تھے۔آپ دوران ملازمت مختلف شہروں میں تعینات رہے۔بطور پرسنل اسسٹنٹ انسپکٹر سکولز ۲۹۔۱۹۲۸ میں مظفر گڑھ ۱۹۲۹ میں راجنپور،۳۳۔۱۹۳۲ میں خانیوال ۳۹۔۱۹۳۸ میں جہلم،۱۹۴۲ میں بھکر اور ۴۴۔۱۹۴۳ میں میانوالی میں تعینات رہے۔۱۹۴۹ میں ہائی سکول ڈیرہ غازی خان کے ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے اور یہیں سے ۴ جنوری ۱۹۵۰ میں ملازمت سے ریٹائر ہوئے۔(۲۶)

عطائیؔ تعلیم یافتہ ہونے کے ساتھ ساتھ شعروادب سے گہری دلچسپی رکھتے تھے اور خود اردو اور فارسی میں طبع آزمائی بھی کرتے تھے۔تصوف کے رمز شناس ہونے کے باعث حضرت خواجہ نظام الدینؒ کے حلقہ نشین رہتے۔آپ مولانا فیض محمد شاہجہانیؒ کے مرید تھے جو حضرت خواجہ اللہ بخش تونسویؒ کے مرید وخلیفہ ہیں۔تصوف اور درویشی ہی کے باعث ان میں اور اقبالؒ میں تعلق پیدا ہوا اور عطائیؔ اقبالؒ ہی کی نسبت سے اس مقام پر ہیں۔عطائیؔ کی ڈائری کی دریافت کے بعد اس ڈائری سے اس بات پر روشنی پڑتی ہے کہ عطائیؔ اقبالؒ سے کتنی عقیدت رکھتے تھے۔عطائیؔ نے خواجہ اللہ بخش تونسویؒ کے ملفوظات بھی لکھے جو کئی جلدوں پر مشتمل ہیں اور ایک جلد تونسہ شریف میں مولوی محمد رمضان معینی کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔آپ بلا کے روزنامچہ نویس بھی تھے جن کی تعداد ۴۳ کے قریب ہے۔۱۳ روزنامچے غلام قاسم مجاہد کی نظر سے گذرے ہیں ان کے مطابق ۴۰۲۱ صفحات پر مشتمل روزنامچے راقم کی نظر سے گذرے ہیں۔(۲۶)

علامہ اقبال نے عطائیؔ کو اپنی ایک رباعی عطا فرمائی۔اس کا احوال انیس ناگی اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:

> ایک مرتبہ علامہ اقبال نے از راہ جھلک ایک فارسی رباعی میرے والد مرحوم کو بطور تحفہ دی جو انہوں نے فقیر عطائیؔ صاحب کو دے دی۔۔۔۔علامہ اقبال کی دی ہوئی رباعی فقیر عطائیؔ کے پاس بھی گئی وہ ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھی۔فقیر عطائیؔ اس تحفے سے بے حد مسرور ہوئے۔انہوں نے اقبال کو خط لکھا اور یہ رباعی اپنے نام منسوب کرالی۔(۲۷)

بشیر احمد ڈار لکھتے ہیں:

> ایک دفعہ مولوی محمد ابراہیم صاحب (سب جج گوجرانوالہ) اقبال کی مندرجہ ذیل رباعی:
>
> تو غنی از ہر دو عالم من فقیر
> روز محشر عذر ہائے من پذیر
> در حسابم را تو بینی ناگزیر
> از نگاہ مصطفیٰ پنہاں بگیر
>
> محمد رمضان عطائیؔ کے سامنے پڑھی۔محمد رمضان عطائیؔ ایک صوفی مزاج کے آدمی تھے۔ان کے دل پر رباعی کا اتنا گہرا اثر ہوا کہ وہ گر پڑے، چوٹ کھائی اور بے ہوش ہوگئے۔اس کے بعد وہ اقبال کے مکان پر گئے اور التجا

کی کہ رباعی انہیں بخش دی جائے انہوں نے یہ بھی کہا کہ وہ وصیت کریں گے کہ مرنے کے بعد یہ رباعی ان کے ماتھے پر لکھ دی جائے۔ان کی اس عقیدت کے پیش نظر اقبال نے رباعی انہیں بخش دی اور اسے اپنے کلام میں شامل نہیں کیا۔اس کے بجائے اقبال نے ایک اور رباعی کہی جو''ارمغانِ حجاز''میں موجود ہے۔

بہ پایاں چو رسد ایں عالم پیر
شود بے پردہ ہر پوشیدہ تقدیر
مکن رسوا حضور خواجہ ما را
حساب من زچشم او نہاں گیر(۲۷)

ہاشم شیر خان کے مطابق عطائی صاحب نے رباعی کے لیے خط لکھا تھا(۲۸)جس کے جواب میں اقبال نے ۱۹ فروری ۱۹۳۷ء کو عطائی صاحب کو ایک خط لکھا جس میں انہوں نے یہ کہا کہ یہ رباعی آپ کی ہوئی۔عطائی صاحب اس کا شکریہ ادا کرنے کے لیے ۲۷ مارچ ۱۹۳۷ء کو علامہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔اس کے علاوہ جب عطائی ایم۔اے فارسی کا امتحان دینے کے لیے لاہور گئے تو اقبال کے پاس حاضریاں دی اور تین ملاقاتوں کا شرف بھی حاصل کیا۔۲ اگست ۱۹۶۸ء کو عطائی صاحب کا انتقال ہوا اور یہی رباعی ان کے مزار کے کتبے پر لکھی ہوئی ہے۔عطائی نے ۱۹۲۸ء اور ۱۹۳۲ء میں اقبال کے شعروں کی تضمین لکھی اور اقبال کی خدمت میں بھیج کر داد و تحسین حاصل کی۔

اقبال سے تینوں ملاقاتوں میں عطائی نے بڑی عقیدت کا اظہار کیا۔اقبال کے ہاتھ پاؤں کو بوسہ دیا۔اقبال ان کی زبان سے اپنی رباعی سنی اور بلک بلک کر روئے۔اقبال نے یہ رباعی بہت پڑھنے کا مشورہ دیا۔بلوچوں کے متعلق گفتگو ہوئی۔ حضرت علامہ نے عطائی کو بزرگان کے مزارات پر جانے کے حوالے سے گفتگو بھی کی۔عطائی کی اقبال سے عقیدت کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے اپنی ڈائری میں لکھا کہ ہے کہ اگر وہ کسی کے مرید نہ ہوتے تو اقبال کے مرید ہو جاتے۔

علامہ کے انتقال کے بعد عطائی ان کے مزار پر جاتے اور مرقد کے قریب بیٹھ کر سارا دن گزار دیتے۔اقبال کے انتقال پر عطائی نے ایک نظم بھی لکھی جو ان کے جذبات کی آئینہ دار ہے

آہ اقبال آہ

گرد آلودہ فلک پر تیرگی چھائی ہوئی
ہے قضا گویا فضائے دہر میں آئی ہوئی
ہر زباں خموش پر لب بند ہیں مثل سکوت
آہ اٹھتی ہے جگر سے ایک گھبرائی ہوئی
چرخ پر شمس و قمر خاموش و سر افگندہ ہیں
ہے رخ ارض و سما پر مردنی چھائی ہوئی
وسعت ہندستاں ماتم کدہ سا بن گیا

ہے طیور باغ کی آواز گھبرائی ہوئی
بخت ہند سے شان اقبالی کنارہ کش ہوئی
نظر آتی ہے گھٹا ادبار کی چھائی ہوئی
لے گئی اقبالؒ کو آ کر قضا سوئے عدم
بد نصیبی کی جہاں میں بزم آرائی ہوئی
لے گئی طالب اجل ملک ادب کا تاجدار
جس کی ہیبت تھی جہان شعر پر چھائی ہوئی(۲۹)

حضرت پیر سید غلام حیدر علی شاہ جلال پوریؒ اور اقبالؒ

دبستان تونسہ کے بڑے اہم بزرگ ہیں آپ حضرت شمس العارفین خواجہ شمس الدین سیالویؒ کے مرید وخلیفہ ہیں جو حضرت شاہ سلیمان تونسویؒ کے جید خلیفہ تھے۔حضرت پیر سید غلام حیدر علی شاہ جلال پوری کی ولادت باسعادت ۳ صفر ۱۲۵۴ھ (۲۶ اپریل ۱۸۳۸ء) کو جلال پور شریف، ضلع جہلم میں ہوئی (۳۰) آپ کے والد ماجد کا نام سید جمعہ شاہؒ تھا جو نہایت باخدا درویش، کامل اور صابر وقانع، متوکل ومنکسر المزاج بزرگ تھے۔(۳۱) قرآن مجید کا درس میاں خان محمد اعظم پوری اور اپنے حقیقی چچا سید امام شاہ صاحب سے لیا۔عبداللہ صاحب چکروی سے اردو اور فارسی کی ابتدائی کتب کا درس لیا۔اس کے بعد موضع پنن وال میں قاضی محمد کامل صاحب سے کتب فقہ پڑھیں۔(۳۲) مفتی غلام محی الدین صاحب سے ''کنز الدقائق'' پڑھی۔خواجہ سیالویؒ کی خدمت میں انہوں نے مرقع اور کشکول کا درس لیا(۳۳) ۷ رجب ۱۲۷۱ھ کو حضرت شمس العارفین کے دست حق پر بیعت ہوئے۔بعد ازاں خرقہ خلافت عطا ہوا۔اگرچہ شاہ صاحب نے زیادہ ظاہری علم باقاعدہ حاصل نہیں کیا لیکن طبیعت کی افتاد اور ماحول کے اثر نے ان میں وہ عالمانہ انداز پیدا کر دیا تھا جس سے بہت سے عالم محروم تھے۔آپ کا اخلاق عمدہ، انکسار اور عاجزی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔آپ پیکر جلال وجمال، راسخ العقیدہ، شجاع، سخی زاہد، متقی، استقامت پسند اور تسلیم ورضا کا پیکر تھے۔۶ جمادی الثانی ۱۳۲۶ھ کو وصال ہوا(۳۴)

حضرت جلال پوریؒ ایک کامل بزرگ تھے اور آپ نے اپنے مریدین اور امت مسلمہ کے دیگر افراد کی مذہبی، اخلاقی اور معاشرتی اصلاح کے لیے جدو جہد کی۔آپ نے شریعت وطریقت کے نفاذ اور اشاعت اسلام کے لیے نمایاں خدمات سرانجام دیں۔آپ کی نظر کیمیا، فیض صحبت اور رشد وہدایت سے ہزاروں بھٹکے ہوئے آہو سوئے حرم جادہ پیما ہوئے۔ علامہ اقبالؒ اسی وجہ سے آپ سے عقیدت رکھتے تھے۔جب آپ کا وصال ہوا تو اکبر الہ آبادی کے علاوہ بہت سے بزرگوں نے آپ کی تاریخ وفات کہی۔اقبال نے بھی آپ کی تاریخ وفات کہی۔(۳۵)

ہر کہ بر خاک مزار پیر حیدر رفت

مرقد او را امین جلوہ ہائے طور گفت
ہاتف از گردوں رسید و خاک او را بوسہ داد
گفتمش سال وفات او بگو مغفور گفت

اقبال جو شخص پیر حیدر شاہؒ کے مزار پر حاضر ہوا۔ اس نے اس مزار کو جلوہ ہائے طور کا مظہر پایا۔ ہاتف نے آسمان سے اتر کر مزار کو چوما۔ میں نے پوچھا کہ آپ کی تاریخ وفات کیا ہے اس نے کہا مغفور!۔ ۱۳۲۶ھ

اسی طرح آپ کے ملفوظات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کو اقبال کے کئی اشعار زبانی یاد تھے اور موقع محل کے مطابق آپ انہیں استعمال کرتے تھے۔ ملک محمد دین نے آپ کے ملفوظات میں ایسے بہت سے واقعات لکھے ہیں جن میں حضرت جلالپوری نے اقبال کے اشعار کا حوالہ دیا۔ ماسٹر محمد حسین بی۔ اے انسپکٹر ڈاک خانہ جات کی روایت سے کئی ملفوظات بیان کیے ہیں۔ ایک ملفوظ میں اقبال کا یہ شعر بیان کیا:

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں (۳۶)

اسی طرح چند مزید اشعارِ اقبال درج ہیں جو مختلف ملفوظات میں حضرت صاحب نے پڑھے:

جلا سکتی ہے شمع کشتہ موج نفس ان کی
الٰہی کیا چھپا ہوتا ہے اہل دل کے سینوں میں (۳۷)

چھپایا حسن کو اپنے کلیم اللہ سے جس نے
وہی ناز آفریں ہے جلوہ پیرا نازنینوں میں (۳۸)

تمنا درد دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا ہے یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں (۳۹)

کبھی اپنا بھی نظارہ کیا ہے تو نے اے مجنوں
کہ لیلیٰ کی طرح تو خود بھی ہے محمل نشینوں میں (۴۰)

خموش اے دل بھری محفل میں چلانا نہیں اچھا
ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں (۴۱)

امیر حزب اللہ ابوالبرکات پیر سید فضل شاہؒ صاحب اور اقبالؒ

دبستان تونسہ کے بزرگوں میں نمایاں مقام کے حامل، حضرت جلال پوریؒ کے پوتے تھے۔ آپ کی ولادت باسعادت ۴ جمادی الثانی ۱۳۱۲ھ (نومبر ۱۸۹۴ء) کو حضرت سید مظفر علی شاہؒ المعروف شاہ جی کے گھر ہوئی۔ (۴۲) قرآن مجید

حافظ اللہ دین سے ختم کیا۔مولوی محمد عبدالرحیم سے ''سکندر نامہ'' تک فارسی اور کتب صرف ونحو اور فقہ میں شرح وقایہ تک عربی پڑھی،مولوی فیض الحسن صاحب اور مولوی فاضل صاحب سے منطق،فلسفہ ادب،عقائد،کلام اور علوم عقلیہ کی تحصیل فرمائی۔صحاح ستہ،فقہ اور باقی علوم نقلیہ کی تکمیل مولوی قادر بخش ملتانی،حافظ جلال الدین اور مولوی محمد سعید صاحب سے کی۔باطنی فیوض حضرت جلالپوریؒ سے حاصل کئے جو تعلیمات اسلامیہ کی زندہ تفسیر تھے۔(۴۳)۱۶ برس کی عمر میں پہلا مقالہ 'ذکر حبیب'' ۱۹۱۰ء میں رسالہ ''صوفی'' میں شائع ہوا۔اس کے بعد آپ کے کئی مقالے شائع ہوئے۔۱۹۱۳ء میں آپ نے حجاز اور بلاد اسلامیہ کا سفر اختیار فرمایا۔مصر،فلسطین،شام میں آپ نے انگریزی تہذیب کی یلغار دیکھی۔مسلمانوں کو اپنی تہذیب سے دور پایا تو آپ بہت متاثر ہوئے۔مسلمانوں کی اصلاح کے لیے کئی پرمغز مقالے لکھے اور خطبات دیے۔تحریک پاکستان میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔مسلمانوں کے سیاسی حقوق کے تحفظ اور انکی اصلاح کے لیے ہر قسم کی معاونت کرنے کے لیے ۱۹۲۷ء میں تحریک حزب اللہ قائم کی (۴۴) آپ نے مسلسل ۳۱ سال تک مختلف علاقوں کے دورے کیے،دعوت جہاد وعزیمت دی اور حقیقی تصوف اور فقر شبیری کو دنیا کے سامنے پیش کیا۔تحریک خلافت،قرارداد پاکستان،تخلیق پاکستان،تعمیر پاکستان،استحکام پاکستان،جہاد کشمیر،تحریک ختم نبوت،جہاد فلسطین،قرارداد مقاصد،اسلامی اتحاد،قانون الٰہیہ کا نفاذ اور ملت کی اصلاح وبہتری کے لیے آپ اور حزب اللہ نے بڑا اہم کردار ادا کیا۔آپ کا وصال ۱۷ شعبان ۱۳۸۶ھ یکم دسمبر ۱۹۶۶ء کو ہوا۔(۴۵)

ملت اسلامیہ کا ہر وہ فرد جو اپنے آپ کو امت مسلمہ کے سیاسی،تمدنی،اور مذہبی اصلاح کے لیے آگے بڑھاتا،علامہ صاحب اس کا بے حد احترام کرتے اور امیر حزب اللہ نے تو ایک طرف تحریر وتقریر سے امت مسلمہ کی اصلاح کے لیے شب وروز جدوجہد کی دوسری طرف حزب اللہ کے پلیٹ فارم سے عملی میدان میں آگے بڑھے اور یوں خانقاہ سے نکل کر رسم شبیری ادا کرنے کا فیصلہ کیا تو اقبال جیسے دردملت رکھنے والے اور تصوف کے رمز شناس اس تاریخی کام کو کیسے نظر انداز کر سکتے تھے۔چنانچہ اقبال نے اس جدوجہد کو نہ صرف تحسین کی نظر سے دیکھا بلکہ امیر حزب اللہ سے کئی بار ملنے کے لیے بھی گئے۔الحاج خواجہ محمد امین چشتی بیان کرتے ہیں:

> جب ۱۹۲۸ء میں حضور سارداہ ایکٹ کے سلسلہ میں شملہ میں تشریف فرما تھے تو علامہ اقبال مرحوم ہر شام حضور کی خدمت میں پہنچ جاتے اور زمان ومکاں جیسے ادق مسائل پر گھنٹوں تبادلہ خیالات ہوتا۔(۴۶)

امیر حزب اللہ کی ایک ملاقات کا پتہ رسالہ ''صوفی'' سے بھی چلتا ہے کہ

> اس ملاقات میں موضوع گفتگو حقیقت تصوف تھا اور علامہ مرحوم نے اعتراف کیا کہ تھا کہ اس سلسلے میں ان کی معلومات کا دائرہ مافی الکتاب اور قال تک محدود ہے۔(۴۷)

امیر حزب اللہ بھی علامہ اقبالؒ کا بہت احترام کرتے تھے۔خواجہ محمد امین چشتی لانگ وڈ ہوٹل کا ایک واقعہ لکھتے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ امیر حزب اللہ اقبال کا کتنا احترام کرتے تھے۔فرماتے ہیں:

> حضور کی آمد سے ممبران اسمبلی اور دور دراز کے صوبوں سے آئے ہوئے لوگوں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔دوسری

شام متقی صاحب اور خواجہ امین چشتی صاحب بھی حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے کچھ بارش ہوگئی تھی اس لیے اس شام وہاں کوئی نہ تھا۔ حضور ایک بڑے کمرے میں آرام کرسی پر تشریف فرما تھے۔ تین کرسیاں خالی پڑی تھیں مگر یہ دونوں نیچے دری پر بیٹھ گئے۔ اتنے میں علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ تشریف لائے اور انہیں دیکھتے ہی حضور نے چشتی صاحب کو فرمایا ڈاکٹر صاحب کو کرسی دو۔ ڈاکٹر صاحب بیٹھ گئے تو پھر اسلامی فلسفہ حیات پر گفتگو شروع ہوگئی۔ (۴۸)

امیر حزب اللہ اپنے خیالات کے اظہار میں اقبال کے اشعار بھی استعمال کرتے تھے جس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ نہ صرف کہ اقبال کا کلام پڑھتے تھے بلکہ کئی اشعار ان کو زبانی بھی یاد تھے۔ امیر حزب اللہ کا بڑا مشہور مقالہ ''معراج النبی ﷺ پر ایک فلسفیانہ نظر'' جو بڑا پر مغز اور مدلل ہے، اس کے آخر میں آپ نے اقبال کے درج ذیل اشعار لکھے ہیں:

اختر صبح کی آتی ہے فلک سے آواز
خندہ زن جس پہ سحر ہے وہ ہے آج کی رات
''رہ یک گام ہے ہمت کے لیے عرش بریں''
کہہ رہی ہے یہ مسلمان سے معراج کی رات (۴۹)

مولوی صالح محمد صالح ملغانی ادیب اور اقبالؒ

آپ خواجہ اللہ بخش تونسویؒ کے مرید تھے۔ حکیم احمد خان تحصیل تونسہ کے بڑے مشہور حکیم تھے۔ آپ کے دادا حضرت شاہ سلیمان تونسویؒ کے عقیدت مند تھے اسی لیے اپنے آبائی گاؤں سوکڑ سے تونسہ شریف آ گئے تا کہ حضرت صاحب کی صحبت سے مستفید ہوتے رہیں۔ مولوی صاحب ۱۸۷۱ء کو پیدا ہوئے۔ (۵۰) آپ نے ابتدائی تعلیم مڈل سکول تونسہ سے حاصل کی اس کے بعد منشی فاضل اور ادیب فاضل کا امتحان پاس کیا۔ ورنیکلر ٹیچر کی سند بھی حاصل کی۔ ملازمت کا آغاز بطور استاد کیا اور گورنمنٹ مڈل سکول چوٹی زیریں میں ایس۔ وی تعینات ہوئے۔ مختلف سکولوں میں خدمات سرانجام دینے کے بعد ۱۹۴۶ء میں ہیڈ ماسٹر مڈل سکول سبکدوش ہوئے۔ ۳۰ مارچ ۱۹۵۶ء کو آپ کا انتقال ہوا۔ (۵۱)

مولوی صاحب پڑھے لکھے تو تھے ہی تونسوی بزرگان کی صحبت نے ان میں اور بھی نکھار پیدا کر دیا۔ ادب کا بڑا اعلیٰ ذوق رکھتے تھے۔ شاعری بھی کرتے تھے۔ مولوی صاحب کا اقبال سے تعلق کا کب آغاز ہوا یہ مسئلہ تو ہنوز حل طلب ہے لیکن ''کلیات مکاتیب اقبال'' مرتبہ سید مظفر برنی میں مولوی صاحب کے نام اقبال کے ۲۱ خطوط موجود ہیں جو انہوں نے مولوی صاحب کے نام لکھے۔ انہی خطوط کے ذریعے اقبال نے حضرت خواجہ نظام الدینؒ سے سجادہ نشینوں کی جماعت تشکیل دینے اور منظم ہو کر ملت اسلامیہ کے سیاسی حقوق اور انکی مذہبی و تمدنی اصلاح کا پروگرام بنایا۔ اقبال مولوی صاحب کا بہت احترام کرتے تھے اور ان کے اردو کے ذوق کو سراہتے تھے۔ ایک خط میں لکھتے ہیں:

آپ کا اردو طرز بیان دلچسپ اور سادہ ہے۔ میں سمجھتا ہوں آپ پڑھنے والے کی توجہ جذب کر سکنے پر پوری

قدرت رکھتے ہیں۔ (۵۲)

مولوی صاحب کو اقبال کا پہلا شارح ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے آپ نے اقبال کی کتاب ''پیام مشرق'' کی شرح لکھ کر انہیں بھیجی جس پر اقبال نے نوٹس لکھے اور مسودہ انہیں واپس بھیجا اقبال نے لکھا:

> کئی دن ہوئے میں نے آپ کے خط کے جواب میں خط لکھا تھا اور اسی خط میں آپ کی شرح پیام مشرق (رباعیات) کا مسودہ ملفوف تھا۔ معلوم نہیں، وہ خط آپ تک پہنچا یا نہیں۔ اگر نہیں پہنچا تو مجھے سخت افسوس ہے۔ بالخصوص ان نوٹوں کی وجہ سے جو میں نے مسودہ مذکورہ کے حواشی پر کیے تھے۔ بہر حال مطلع فرمایئے تا کہ اطمینان ہو جائے۔ (۵۳)

پھر جب مولوی صاحب کو مسودہ موصول ہو گیا تو انہوں نے اقبال کو مطلع فرمایا اور اقبال نے ۱۹ جون ۱۹۳۰ء کو شکریے کا خط لکھا:

> آپ کا خط مل گیا ہے جس کے لیے شکریہ قبول کیجیے۔ الحمدللہ کہ مسودہ آپ تک پہنچ گیا۔ (۵۴)

اقبال کو ایک کتاب ''سر السما'' کی ضرورت تھی تو انہوں نے مولوی صاحب کو لکھا۔ مولوی صاحب نے خواجہ صاحب کے توسط سے کتاب کو تلاش کرنے کی کوشش کی۔ اقبال کی خواہش تھی کہ اس علاقے میں موجود قلمی اور نایاب نسخوں کی فہرست شائع ہونی چاہیے۔ اقبال نے یہ کام مولوی صاحب سے کرنے کے لیے انہیں خط لکھا۔ فرمایا:

> اگر آپ ادھر کے نادر الوجود قلمی نسخوں کی ایک فہرست شائع کر دیں تو عہد حاضر کے ہندوستانی مسلمانوں پر ایک احسان عظیم ہو گا اور نیز ایک بڑی علمی خدمت ہو گی۔ (۵۵)

مولوی صاحب کو اقبال نے سفر افغانستان میں ساتھ چلنے کی دعوت بھی دی۔ ۱۴ اگست ۱۹۳۰ء کو لکھتے ہیں

> کابل جانے کا امکان ہے۔ آپ ساتھ ہوں تو اور بھی اچھی بات ہے۔ ممکن ہے اگست کے آخر میں۔ (۵۶)

مولوی صاحب کا منظوم خراج عقیدت روزنامہ ''احسان'' کے اقبال نمبر میں ۳۰ مئی ۱۹۳۸ء کو شائع ہوا جس کا عنوان ''یادِ اقبال'' ہے۔ جس کے دو شعر یہ ہیں:

اک جہان تازہ کا پیغام تھا جس کا پیام
ساز ہستی کی نوائے درد تھا جس کا کلام
مردہ عالم زندہ جس کی شورش قم سے ہوا
آدمی خود دار خود جس کے ترنم سے ہوا (۵۷)

سردار اللہ نواز خان کھیتران اور اقبالؒ

آپ حضرت خواجہ نظام الدینؒ کے مرید تھے۔ آپ کے دادا سردار اللہ داد عاجز فارسی اور سرائیکی کے اچھے شاعر

تھے۔آپکے والد سردار رب نواز خان (رئیس اعظم وہوا) اپنے علاقے کے سردار، تمندار، مجسٹریٹ درجہ اول (اعزازی) اور ایمپیریل بلوچی جرگہ کے ممبر تھے۔گھر میں کتب کا بڑا ذخیرہ موجود تھا۔ذوق مطالعہ کے باعث اردو اور فارسی پر کافی دسترس حاصل تھی۔(۵۸)

آپ ۱۹۰۹ء میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم کے بعد اسلامیہ کالج لاہور میں داخلہ لیا۔اس زمانے میں اخبار ''سیاست'' میں کالم نگاری بھی کرتے رہے۔اردو اور فارسی کے قادرالکلام شاعر تھے۔انگریزوں کی سامراجیت کے خلاف جہاد کرتے رہے جس کی پاداش میں کئی بار مختلف جیلوں میں نظر بند رہے۔۱۹۶۷ء میں انتقال ہوا۔(۵۹)

آپ کے والد صاحب کے اقبال سے بڑے عمدہ تعلقات تھے۔کئی بار ملاقات کا شرف بھی حاصل کیا۔ضلع اوکاڑہ کے چک نمبر ۱۸ میں آپ کی دس مربع زرعی اراضی تھی آپ جب بھی وہاں جاتے جاوید منزل حاضری ضرور دیتے اور اقبال سے ملاقات کرتے۔ان کے نام اقبال کے متعدد خطوط تھے لیکن دستیاب نہیں۔ایک خط ''خطوط اقبال'' مرتبہ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی میں موجود ہے۔جس کا پس منظر سردار کریم نواز خان ۱۹ اپریل ۱۹۷۵ء کو ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی صاحب کے نام ایک مکتوب میں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں

> اس زمانہ میں گورنمنٹ نے ڈیرہ غازی خان کے جملہ تمنداروں کو ۱۵ مربع اراضی (Land Gentry Grant) میں فی تمندار عطیہ کیا۔تمنداروں کے سربراہ اس زمانہ میں نواب سر بہرام خان مزاری تھے۔جملہ تمندار بلوچ تھے۔صرف ہمارا قبیلہ پٹھان تھا۔اس لیے نواب صاحب مرحوم نے یہ گرانٹ صرف بلوچ تمنداروں کے لیے منظور کرائی اور ہمیں محروم رکھا حالانکہ اس دور کی خدمات آنریری مجسٹریٹ اور ممبر جرگہ کی حیثیت میں ہم سب برابر تھے۔میاں سر فضل حسین اس زمانہ میں وزیر تھے اور علامہ صاحب سے ان کے مراسم تھے۔والد صاحب نے علامہ صاحب سے گذارش کی کہ ہمارے ساتھ جو زیادتی ہوئی ہے، میاں صاحب سے سفارش کرا کے اس کا ازالہ کرائیں۔غالباً علامہ صاحب نے معذوری بیان کی کہ وہ دنیاوی معاملات میں کسی سفارش کے قائل نہیں۔والد صاحب خود میاں صاحب سے علامہ صاحب کے فرمان کے مطابق ملے اور اپنا کیس بیان کیا جس پر انہیں بھی باقی بلوچ تمنداروں کی طرح عطیہ دیا گیا۔اس کی اطلاع والد صاحب نے علامہ صاحب کو دی۔جس کا یہ خط جواب تھا۔(۶۰)

علامہ صاحب نے ۲۶ جون ۱۹۳۰ کو لکھا:

> آپ کا والہ نامہ مل گیا ہے جس کے لیے شکر گذار ہوں۔الحمدللہ کہ خیریت ہے۔مجھے یہ سن کر خوشی ہوئی کہ آپ اپنے مقاصد میں کامیاب ہوئے۔اللھم زدفزد۔(۶۱)

ایک ملاقات میں اقبال نے آپ کے والد صاحب کو شاعری سے منع کیا کہ آپ شاعری نہ کیا کریں تو انہوں نے شاعری چھوڑ دی۔ایک اور ملاقات میں انہوں نے اقبال سے فرمایا کہ میرے بیٹے سردار اللہ نواز خان کو بھی منع فرمائیں کہ

شاعری نہ کیا کرے اقبال نے سردار اللہ نواز خان سے کچھ سنانے کی فرمائش کی آپ نے جب اپنا کلام سنایا تو اقبال نے فرمایا سردار صاحب اسے منع نہ کریں یہ روکنے سے بھی باز نہیں آئے گا۔ اقبال آپ کو اس لیے پسند کرتے تھے کیونکہ آپ انگریزوں اور انگریزی تہذیب کے مخالف تھے۔ آپ نے اقبال کی وفات کے دو روز بعد یعنی ۲۳ اپریل ۱۹۳۸ء کو فارسی میں اقبال کا مرثیہ کہا جو روزنامہ ''احسان'' میں شائع ہوا۔ (۶۲)

چیست آں لفظ محبت کہ مرا یاد آمد
''نالہ در نالہ و فریاد بہ فریاد آمد''
حسرتا! از سر ما عزت و اقبالؒ برفت
وائے دردے! کہ فلک بر سر بیداد آمد
طرح کاشانہ نہ چیدم کہ برقش افتاد
صید یک نالہ نہ کردیم کہ صیاد آمد
وائے! اقبالؒ دو سہ روز دگر نیز نزیست
زحل نحس بہ یک برج بجلاد آمد
مرد حر بود کہ قید سحر و شام نتافت
مرحبا! حضرت اقبالؒ چہ آزاد آمد
با غلامان سیہ رو نتوانست نشست
دل ز خودداری اقبالؒ بفریاد آمد
چشم ما اشک فشانست و زباں ''نالہ نواز''
چہ مصیبت بسرم رفت و چہ افتاد آمد (۶۳)

مولانا غلام مرشد اور اقبال:

مولانا غلام مرشد خواجہ اللہ بخش تونسویؒ کے مرید تھے۔ آپ ضلع سرگودھا کے ایک قصبہ انگہ میں دسمبر ۱۸۹۵ء میں پیدا ہوئے۔ آٹھ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کرنے کی سعادت حاصل کی۔ اکتوبر ۱۹۱۱ء سے اگست ۱۹۱۴ء تک کا زمانہ درس نظامی اور مولوی فاضل کا نصاب مکمل کیا۔ آپ کے اساتذہ کرام میں مولانا غلام رسول گجراتی صدر مدرس دارالعلوم نعمانیہ، مولانا محمد ذاکر بگوی پرنسپل مدرسہ حمیدیہ اور مفتی عبداللہ ٹونکی شامل ہیں۔ دورہ حدیث کی تکمیل کے لیے دارالعلوم دیوبند میں ۱۹۱۵ء میں داخلہ لیا اور شیخ الہند مولانا محمود الحسن سے بھی استفادہ فرمایا۔ عقلیات کے نصاب کی تکمیل اجمیر شریف کے دارالعلوم میں کی۔

تعلیم کی تکمیل کے بعد درس و تدریس سے وابستہ ہو گئے اور دارالعلوم خانقاہ سیال شریف اور دارالعلوم ضلع خوشاب میں خدمات سرانجام دیں۔ تحریر و تقریر کا سلسلہ بھی شروع فرمایا۔ خلیفہ شجاع الدین کی ترغیب پر مسلم لیگ میں شمولیت اختیار

کی۔آپ دارالعلوم نعمانیہ ہند لاہور کے صدر مدرس مقرر ہوئے اسی زمانے میں آپ جمیعت علمائے ہند دہلی کی طرف سے پنجاب کی صوبائی جمیعت کے صدر رہے۔ڈاکٹر سیف الدین کچلو کی گرفتاری کے بعد پنجاب خلافت کمیٹی کے نائب صدر مقرر ہوئے۔۱۹۲۷ء میں بادشاہی مسجد لاہور کے امام مقرر ہوئے۔قیام پاکستان کے بعد صرف دینی اور فلاحی کاموں تک محدود رہے۔ ۱۹۷۹ء میں لاہور میں وصال ہوااور انگہ میں دفن کیے گئے۔(۶۴)

مولانا غلام مرشد کے علامہ اقبال سے بڑے گہرے تعلقات تھے اور باہمی احترام کا رشتہ تھا۔۱۹۲۶ء میں علامہ اقبال نے لیجسلیٹو کونسل کے رکن کے لیے انتخابات میں حصہ لیا تو غلام مرشد نے اقبال کی حمایت میں بڑی زوردار اور پر اثر تقاریر کیں اور اس الیکشن کو کفر و اسلام کا مقابلہ قرار دے کر تعارف کرایا۔ایک موقع پر اقبال نے آپ کو اپنے گھر بلایا اور آپ کی کسی تقریر پر اعتراض کیا اور آپ سے پوچھا کہ آپ خلافت کمیٹی کے عہدیدار ہیں اس کے باوجود آپ نے تحریک ہجرت کی مخالفت کیوں کی۔غلام مرشد نے فرمایا:

> میں نے عرض کیا کہ یہ خاکسار اس تحریک کو گاندھی مہاراج کی ایک بدترین چال سمجھتا تھا کہ جو ہندوستان میں رہنا چاہتے تھے تو انہیں شدھ کر لیا جائے گا باقی جو ہیں انہیں دیس نکالا دے دیا جائے گا کابل میں جا کر رہے یا روس میں رہیں یا مکہ مدینہ میں جا کر رہیں ان کے یہاں رہنے کی گنجائش نہیں۔ان کو یہ چیز بڑی ناگوار گزری مگر مجمع میں سکون رہا اور میں نے یہ عرض کیا کہ یہ ہجرت پر آمادہ کرنے والے بڑے معززین خود کیوں ہجرت نہیں فرماتے اور مجمع کو کہا کہ بلاشبہ ہجرت ناقابل برداشت مظالم کے وقت ایک مستحسن فعل ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ شرط ہے کہ غیر مسلم حکومت کے ناقابل برداشت مظالم سے تنگ آ کر دوسرے ملک میں جائیں اس غرض سے جائیں کہ ہم اس ملک میں پناہ گزیں ہو کر قرآن کی ان مٹ ہدایتوں کے مطابق باعزت زندگی گزاریں گے۔(۶۵)

مولانا ،اقبالؒ کا بہت زیادہ احترام کرتے اور ان کے جذبے کی تعریف کرتے۔ملت اسلامیہ کے لیے اقبال کی خدمات،قرآن مجید سے ان کا لگاؤ،مذہب سے محبت،عشق رسول اور ملت اسلامیہ کو جگانے کی جدوجہد نے مولانا کے دل میں ان کا احترام اور بھی بڑھا دیا تھا۔

علامہ اقبالؒ بھی مولانا کا بہت احترام کرتے تھے۔اقبال مولانا کی قرآن فہمی کے بہت زیادہ قائل تھے اسی لیے اقبال کی خواہش تھی کہ مولانا اس قرآن فہمی میں جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو بھی شریک کریں اور انہیں قرآن کا درس دیں۔مولانا غلام مرشد نے اقبال کی اس خواہش کے احترام میں مسجد کناری بازار میں نماز صبح کے بعد درس قرآن دینا شروع کیا۔اس درس میں لاہور کے بڑے بڑے تعلیم یافتہ افراد شریک ہوتے تھے جن میں ڈاکٹر سید عبداللہ چغتائی، پروفیسر محمد دین تاثیر اور مولوی محمد بخش شامل تھے۔یہ افراد مولانا سے قرآن کے بعض مطالب کے بارے میں سوالات بھی کرتے جس سے علمی بحث شروع ہو جاتی اس طرح اس درس کی اہمیت اور افادیت اور بھی بڑھ گئی اور اقبال اس علمی وسعت پر مولانا سے نہ صرف خوش تھے بلکہ ان کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے۔

مولانا اتنے قرآن فہم اور جوہر قابل تھے کہ اقبال کی خواہش تھی کہ آپ جیسا علمی اور دینی صلاحیت کا مالک شخص کسی بڑے مقام پر مقرر ہو جہاں وہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو مستفید کر سکے اسی خواہش کی تکمیل کے لیے اقبال نے بادشاہی مسجد لاہور کی خطابت کے لیے آپ کا نام تجویز کیا اور علامہ صاحب کے اصرار پر ہی ۱۹۲۷ء میں انجمن اسلامیہ پنجاب نے آپ کو بادشاہی مسجد کا خطیب مقرر فرمایا۔

جب علامہ اقبال کا انتقال ہوا تو مولانا غلام مرشد نے علامہ صاحب کی نماز جنازہ پڑھائی۔(۶۶)

حوالہ جات

۱۔ محمد حسین للہی، ڈاکٹر، نافع السالکین، اشرف پریس لاہور، س ن، ص ۱۱

۲۔ مولوی اللہ بخش، خاتم سلیمانی، خادم التعلیم پریس، لاہور، ۱۳۲۵ھ، ص ۱۵

۳۔ ایضاً، ص ۲۰ ۴۔ ایضاً، ص ۲۷

۵۔ ایضاً، ص ۲۹ ۶۔ ایضاً، ص ۳۱

۷۔ ایضاً، ص ۴۰ ۸۔ ذکر حبیب، ص ۲۸۲

۹۔ مظفر حسین برنی، مرتب، کلیات مکاتیب اقبال، جلد سوم، اردو اکادمی، دہلی، ۱۹۹۳، ص ۱۳۶

۱۰۔ ایضاً،

۱۱۔ غلام فرید، ڈاکٹر، تذکرہ حضرت نظام الدینؒ، انجمن فروغ فنون اسلامی پاکستان، ڈیرہ غازی خان، ۱۹۸۷، ص ۱۲۵

۱۲۔ ایضاً، ص ۱۴۶ ۱۳۔ ایضاً، ص ۱۵۷

۱۴۔ ایضاً، ص ۲۳۰ ۱۵۔ ایضاً، ص ۲۶۶

۱۶۔ کلیات مکاتیب اقبال، جلد سوم، ص ۱۲۶

۱۷۔ ایضاً، ص ۱۲۰ ۱۸۔ ایضاً، ص ۱۳۵

۱۹۔ ایضاً، ۱۳۶ ۲۰۔ ایضاً، ص ۱۹۴

۲۱۔ ایضاً، ص ۲۰۲ ۲۲۔ ایضاً، ص ۲۰۶

۲۳۔ ایضاً، ص ۲۲۰

۲۴۔ شیخ غلام محمد نظامی، خواجہ نظام الدینؒ اور اقبال، ہفت روزہ ''الشمس'' ملتان، ۲۱ تا ۳۰ اپریل، ۱۹۸۸

۲۴۔ احسان، اقبال نمبر ۳۰ مئی ۱۹۳۸، ص ۷

۲۵۔ نواز جاوید، ڈاکٹر، مرتب، اقبال ہمارا ہے، سلیمان ادبی سنگت ڈیرہ غازی خان، ۲۰۰۶، ص

۲۶۔ غلام قاسم مجاہد، اقبال اور عطائی، بزم اقبال، ڈیرہ غازی خان، ندارد، ص ۵

۲۷۔ بشیر احمد ڈار، انوار اقبال، اقبال اکادمی، لاہور، طبع دوم ۱۹۷۷ء، ص ۲۲۲

۲۸۔ علامہ اقبال اور ڈیرہ غازی خان، ص ۱۵۴

۲۹۔ اقبال اور عطائی، ص ۶۔۷

۳۰۔ ملک محمد دین، ذکر حبیب، دارہ حزب اللہ، جلال پور شریف، جہلم، طبع چہارم، ۱۴۲۷ھ، ص ۵۹

۳۱۔ ایضاً، ص ۴۷ ۳۲۔ ایضاً، ص ۸۰

۳۳۔ خلیق نظامی، ڈاکٹر، تاریخ مشائخ چشت، مشتاق بک کارنر، لاہور، ندارد، ص ۶۸۰

۳۴۔ ذکر حبیب، ص ۱۹۰

۳۵۔ ایضاً، ص ۲۰۵ ۳۶۔ ایضاً، ص ۴۲۴

۳۷۔ ایضاً، ص ۴۳۹ ۳۸۔ ایضاً، ص ۴۴۲

۳۹۔ ایضاً، ص ۴۵۴ ۴۰۔ ایضاً، ص ۴۵۸

۴۱۔ ایضاً، ص ۵۱۳

۴۲۔ عبدالغنی، ڈاکٹر، امیر حزب اللہ، ادارہ حزب اللہ، جلال پور شریف، جہلم، طبع دوم، ۲۰۰۵ء، ص ۳۸

۴۳۔ ایضاً، ص ۴۱ ۴۴۔ ایضاً، ص ۲۴۶

۴۵۔ ذکر حبیب، ص ۲۴۹ ۴۶۔ امیر حزب اللہ، ص ۴۵۰

۴۷۔ صوفی، عرس نمبر، مارچ ۱۹۱۸ء، ص ۸ ۴۸۔ امیر حزب اللہ، ص ۵۱۸

۴۹۔ ایضاً، ص ۵۸۷

۵۰۔ ہاشم شیر خان، علامہ اقبال اور ڈیرہ غازی خان، بیکن بکس، ملتان ۲۰۰۱ء، ص ۳۷

۵۱۔ ایضاً، ص ۳۸ ۵۲۔ ایضاً، ص ۴۳

۵۳۔ کلیات مکاتیب اقبال، جلد سوم، ص ۱۲۰

۵۴۔ ایضاً، ص ۱۲۵ ۵۵۔ ایضاً

۵۶۔ علامہ اقبال اور ڈیرہ غازی خان، ص ۴۴

۵۷۔ احسان، ص ۱۵ ۵۸۔ علامہ اقبال اور ڈیرہ غازی خان، ص ۵۶

۵۹۔ ایضاً، ص ۱۲۵ ۶۰۔ رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر، مرتب، خطوط اقبال، ۱۹۴

۶۱۔ ایضاً ۶۲۔ علامہ اقبال اور ڈیرہ غازی خان، ص ۱۲۶

۶۳۔ اقبال ہمارا ہے، ص ۲۴

۶۴۔ عبدالرؤف عروج، رجال اقبال، نفیس اکیڈمی، کراچی، ۱۹۸۸ء، ص ۳۸۹

۶۵۔ عبدالرؤف عروج، رجال اقبال، ص ۳۹۰

۶۶۔ عبدالرؤف عروج، رجال اقبال، ص ۳۹۰